# باب المراسلات

## قانونِ شہادت

سوال: آج کل اس سوال نے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ آپ بتائیں کہ قرآن مجید کی رُو سے اس کی پوزیشن کیا ہے؟

جواب:۔ طلوعِ اسلام اور پرویز صاحب کی تصانیف میں اس موضوع پر اتنی کثرت سے اور اتنی بار لکھا جا چکا ہے کہ اس کی مزید وضاحت اور اعادہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن (حالیہ ہنگاموں کی وجہ سے) یہ سوال متعدد گوشوں کی طرف سے پوچھا گیا ہے جس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں بکثرت احباب ایسے ہیں جن کی نظروں سے وہ نہیں گذرا یا وہ اسے بھول گئے ہیں۔ بنا بریں ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے اسے ملخصاً دہرا دیا جائے۔

سب سے پہلے اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید میں کسی جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا کہ جو معاملہ عدالت میں پیش ہو اس کے لئے عدالت دو مردوں کو بطور گواہ طلب کرے اور اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو طلب کرے۔ اور ان تینوں کی شہادت قلمبند کرے۔ ایسا کہیں نہیں کہا گیا۔ نہ ہی یہ کہا گیا ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ کسی مقام پر بھی شہادت کے ضمن میں عورتوں اور مردوں میں تخصیص یا تفریق نہیں کی گئی۔ قرآن نے صرف گواہ (شاہد) کہا ہے خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں۔ اس کی رو سے شہادت کے لئے نہ جنس (SEX) کی کوئی تخصیص ہے۔ نہ تعداد۔ ایک مقام البتہ ایسا ہے جہاں "ایک مرد اور دو عورتوں" کا ذکر ہے۔ اسے سمجھ لینے سے ساری بات واضح ہو جاتی ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ ($\frac{2}{282}$) میں ـــ جو قرآن کریم کی (غالباً) سب سے لمبی آیت ہے) تفصیلاً بتایا گیا ہے کہ قرض کے لین دین کے معاملہ میں کیا کرنا چاہئے اور کیسے؟ اس میں سب سے پہلے یہ کہا گیا ہے کہ ان معاملات کو ضبطِ تحریر میں لے آنا چاہئے اور دستاویز پر دو مرد گواہوں کی گواہی کروا لینی چاہئے۔ اس کے بعد ہے: فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ۔ "اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو فریقین کی رضامندی سے ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کروا لو"۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ دو عورتوں کی گواہی کے لئے کیوں کہا گیا ہے۔ فرمایا کہ یہ اس لئے کہ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ط ($\frac{2}{282}$)۔ اس کے عام معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ "اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے"۔ واضح رہے کہ قرآن کریم نے "أَن تَضِلَّ" کہا ہے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں۔ مختلف چیزوں کا اس طرح

غلط ملط ہو جاتا کہ انہیں آسانی سے الگ الگ نہ کیا جا سکے۔ اسے انگریزی زبان میں (TOGET CONFUSED) کہا جائے گا۔ مولانا محمود الحسنؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے (مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ (۵۳/۲) میں) اس کا ترجمہ "بہک جانا" کیا ہے۔ جو کچھ قرآن نے کہا ہے اس کا مفہوم و مقصود یہ ہے کہ اگر کل کو اس دستاویز کے ضمن میں کوئی تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ اور معاملہ عدالت میں پیش ہوا تو

(۱) عدالت اس مرد گواہ اور ان دو عورتوں میں سے ایک کی شہادت قلمبند کرے گی۔

(۲) اگر اس عورت کو کہیں مغالطہ لگ جائے، کسی شق میں التباس ہو جائے، تو دوسری عورت اُسے یاد دلا دے (فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا) کہ صحیح صورت حال کیا تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسری عورت عدالت سے کچھ نہیں کہے گی۔ (قرآن کے الفاظ ہیں) اُس گواہی دینے والی اپنی بہن کو یاد دلا دے گی کہ صحیح بات کیا تھی۔ اس سے وہ گواہ عورت اپنے مغالطہ کو رفع کرے گی۔

(۳) اگر گواہی دینے والی عورت کو کوئی مغالطہ نہ لگے تو یہ دوسری عورت مداخلت ہی نہیں کرے گی۔

(۴) اسے مداخلت کرنے کی ضرورت پیش آئے یا نہ، قرآن نے یہ نہیں کہا کہ پہلی عورت کی گواہی کے بعد، اس دوسری عورت کی بھی گواہی لی جائے گی۔ گواہی اس ایک عورت ہی کی کافی سمجھی جائے گی۔

سوچئے کہ اس سے یہ مطلب کیسے نکل آیا کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہوگی۔ اور پھر یہ مطلب کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے؟ قرآن سے ان میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے یہ احتیاط عورتوں کے ضمن میں کیوں ضروری قرار دی۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے اُس زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن میں یہ احتیاط ضروری سمجھی گئی تھی۔ اس زمانہ میں (عرب میں) ایسے مردوں کی تعداد ہی بہت کم تھی جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، چہ جائیکہ عورتیں۔ وہ بالعموم ان پڑھ تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اس معاشرہ میں عورت کو جس حالت میں رکھا گیا تھا، اس کے متعلق قرآن نے کہا ہے أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ (۴۳/۱۸)۔ "اس زیورات میں پلی ہوئی کی کیفیت یہ تھی کہ جھگڑے کے وقت خود اپنے موقف کو بھی واضح طور پر بیان نہیں کر سکتی تھی"۔ یہ تھی عورتوں کی حالت اس زمانے میں وہ تو زمانۂ نزولِ قرآن کی بات ہے۔ آپ آج (بیسویں صدی میں) ہمارے ہاں کی مستورات میں سے کسی کو پہلے پہل عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیجئے جہاں گرد و پیش اجنبی مردوں کا ہجوم ہو۔ وہاں دیکھئے کہ اس بے چاری کی حالت کیا ہوتی ہے (بالخصوص وکلا کی تنقیحات اور فریقِ مخالف کی تعریضات کے سامنے!) اس کے پسینے چھوٹ جائیں گے اور اوسان خطا ہو جائیں گے۔ اگر اس کے ساتھ اس کی جان پہچان والی کوئی عورت موجود ہو تو اس کا حوصلہ بندھ جائے گا، بالخصوص ایسی عورت جسے اجازت ہو کہ اگر اُسے کہیں کچھ التباس ہو جائے تو وہ اس کی مدد کرے۔

یہ تھی وہ ضرورت جس کے پیش نظر قرآن نے اس احتیاط کو ضروری سمجھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کے نزدیک عورت، ناقص العقل اور ناقابلِ اعتماد ہے اور مردوں کے مقابلہ میں آدھی شخصیت کی مالک۔ اس احتیاط سے مقصد کیا تھا اسے قرآن نے خود ہی ان الفاظ میں واضح کر دیا کہ فَتُذَكِّرَ

اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّھَادَۃِ وَ اَدْنٰی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ۔ (۲/۲۸۲) ۔ یہ چیز قانونِ عدل کے تقاضے کو پورا کرنے کے زیادہ قریب ہے۔ اس سے شہادت محکم ہو جاتی ہے اور شکوک و شبہات کا بہت کم امکان رہتا ہے۔ یعنی یہ احتیاط، شہادت کو موثق بنانے کے لئے تھی، جس طرح شہادت کو موثق اور محکم بنانے کے لئے ایک گواہ کے بجائے دو دو اور چار چار گواہ ضروری قرار دئیے گئے ہیں۔ جو قانونِ شہادت ہمارے ہاں اس وقت رائج ہے اس کی رُو سے اگر گواہ "تجدید یادداشت" کے لئے کوئی ریکارڈ طلب کرے تو اسے مہیا کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں "تجدید یادداشت" کا فریضہ حسب الضرورت گواہ عورت کی یہ ہم نفس ادا کرتی تھی۔

اگر قرآن کی رُو سے ایسا کوئی قانون بنانا ہو تو اس کی شکل کچھ اس طرح ہوگی :۔

لین دین کے معاملات کو ضبطِ تحریر میں لے آنا چاہئے اور جو دستاویز مرتب کی جائے اس پر دو مردوں کی گواہی دلوانی چاہئے۔ اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ دو مرد موجود نہ ہوں[1] تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی دلوانی چاہئے۔ عدالت میں اس مرد اور ان دو عورتوں میں سے کسی ایک کی شہادت کافی ہوگی۔ اس رعایت کے ساتھ کہ اگر اسے کوئی التباس ہو جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے کہ صحیح بات یوں تھی (اس کی حیثیت گویا تجدیدِ یادداشت کی سی ہوگی)۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ کوئی ایسا قانون جس کی رُو سے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تصور کی جائے۔ قرآن کریم کے خلاف ہوگا۔

لیکن ہمارے یہاں تو بات اس سے بھی آگے جا چکی ہے۔ اس وقت حدود (سرقہ۔ زنا۔ قذف وغیرہ) کے متعلق جو آرڈیننس نافذ ہے اس کی رُو سے گواہوں کے مرد ہونے کی شرط ہے۔ عورتوں کی گواہی قابلِ قبول ہی نہیں۔ — خواہ وہ دو ہوں۔ اور خواہ سو ہوں۔ عورت کسی مقدمہ میں گواہ نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی یکسر قرآن کے خلاف ہے۔

ان اقدامات سے ہمیں ایک خوشی ہوتی ہے۔ اس سے پہلے جب ہم کہتے تھے کہ ہماری فقہ اور روایات میں اس قسم کے قوانین ہیں تو کوئی باور نہیں کرتا تھا۔ اب جو یہ قوانین مرتب ہو کر نافذ بھی ہو رہے ہیں تو لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ طلوعِ اسلام ٹھیک ہی کہتا تھا۔

لیکن اس سے اسلام، دنیا میں جس قدر بدنام ہو رہا ہے اس سے ہم خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔ حدود و تعزیرات میں عورت سرے سے گواہ ہو ہی نہیں سکتی جن تنازعات میں اس کی گواہی لائقِ قبول ہوگی ان میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر متصور ہوگی۔ عورت آدھے ورثے کی حقدار ہوگی۔ قتل کے وقوعہ میں مقتولہ عورت کی دیت (خون بہا) مرد کی دیت سے نصف ہوگی۔ وقس علیٰ ہذا۔ اس قسم کے قوانین بنائے جاتے ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق دئیے ہیں، دنیا میں کہیں نہیں مل سکتے! یہ قوانین ہمارے دورِ ملوکیت کے اُس زمانے میں وضع ہوئے تھے جب عورتیں مویشیوں کی منڈی (نخاس) میں نیلام ہوا کرتی تھیں! اور تماشا یہ کہ اگر کوئی ان قوانین کے خلاف لب کشائی کرے تو ڈھائی مچادی جاتی ہے کہ یہ خدا اور اُس کے رسولؐ کے خلاف بغاوت ہے!

---

[1] آج کل ایسی صورت شاید ہی کہیں پیدا ہو!